شمارہ نمبر ۲۱

آوازِ خلق

People's Voice is Published by **Naseem Ahmad Bajwa,** from London, on behalf of Movement for Radical Reform's and People Participation in Pakistan and distributed free all over the World

نسیم احمد باجوہ
Bar-At-Law

اداریہ

چہرے نہیں ۔ نظام بھی بدلیں

پاکستان میں ہر پُرانی سیاسی جماعت اور افسر شاہی اور جرنیلوں کو بار بار اقتدار ملا، مگر عوامی مسائل حل نہ ہوئے چونکہ نظام ہمیشہ وہی رہا اور صرف چہرے بدلتے رہے۔ تمام پُرانی سیاسی جماعتوں کا صرف ایک ہی مقصد اور ایک ہی مصروفیت رہی ہے۔ اقتدار بچانا یا حاصل کرنا۔ ذہنی افلاس، مفاد پرستی، امریکہ کی غلامی، مصلحت پسندی، خودغرضی اور اصلی عوامی مسائل سے لاتعلقی نے پرانی اور دونوں بڑی سیاسی جماعتوں کو مفلوج کر دیا ہے۔ عوام کو اپنے مسائل کا حل ڈھونڈنا ہوگا اور اپنے دُکھوں کا علاج تجویز کرنا ہوگا۔ آپ آگے بڑھیں، خود جاگیں اور دوسروں کو جگائیں۔ انقلابی اصلاحات کے حق میں رائے عامہ ہموار کریں۔ بائیں بازو کی ورکرز پارٹی۔ جماعت اسلامی ۔ تحریک انصاف اور ڈاکٹر طاہر القادری کی جدوجہد کو کامیاب بنائیں۔ کیا آپ میں ان کا عملی ساتھ دینے کی ہمت اور صلاحیت ہے؟ اگر آپ کا جواب ہاں میں ہے تو پھر ہمارا مستقبل روشن ہے ورنہ نہیں۔ O

ہمیں اپنے انقلابی پیغام کو جلد از جلد زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کے لئے آپ جیسے دوستوں اور ساتھیوں کا تعاون چاہیے۔ آپ اگر ہماری رضا کارانہ امداد کرنے پر تیار ہوں تو آپ ہمارے ساتھ رابطہ کریں۔ پاکستان میں انقلاب صرف اس صورت میں آ سکتا ہے، جب نہ صرف وُکلاء بلکہ ہزاروں طلباء اور طالبات اور فارغ رہنے والی گھریلو خواتین اور تعلیم یافتہ ریٹائرڈ لوگ اپنی ساری توجہ گلی سڑی سیاست پر مرکوز کرنے کی بجائے ۔ سماجی ۔ انتظامی ۔ سیاسی اور معاشی انقلاب لانے کے لئے نئی تحریک میں عملی حصہ لیں۔ کیا آپ اپنے گاؤں، اپنے محلّہ، اپنی علمی درسگاہ، اپنے دفتر اور دوسرے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا سکتے ہیں؟ کیا آپ آوازِ خلق میں اپنی آواز ملا سکتے / سکتی ہیں؟

عوام ہی اس ملک کے اصل مالک ہیں۔ آپ کے ٹیکسوں ہی سے حکومت کو آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ اگر عوام متحد اور اکٹھے ہو جائیں تو وہ اپنے دیئے گئے ٹیکسوں پر پلنے والے سرکاری افسروں اور سیاسدانوں سے پوچھ سکتے ہیں کہ وہ مہنگائی، بے روزگاری، رشوت ستانی، بڑھتے ہوئے جرائم اور دوسرے ہر بڑے عذاب کو کس طرح ختم کرینگے؟ اِن بڑی مصیبتوں سے کروڑوں مظلوم لوگوں کی جان کب اور کس طرح چھوٹے گی؟ ہمیں انصاف کب ملے گا؟ قانون کی حکمرانی اور عوام دوست، نظام حکومت کے قیام کا خواب کب پورا ہوگا؟

پاکستان کے کروڑوں مصیبت زدہ عوام پوچھتے ہیں کہ برسرِ اقتدار سیاسی جماعتیں اور اقتدار کی خواہش مند سیاسی جماعتیں موجودہ بدترین مہنگائی پر خاموش کیوں ہیں؟ کیا اِن میں کسی ایک کے پاس بھی مہنگائی کا موثر حل ہے؟ اگر ہے تو بتاتی کیوں نہیں؟ اگر نہیں تو مِل جُل کر ڈھونڈتی کیوں نہیں؟ عوام خود فیصلہ کریں کہ وہ جس سیاسی جماعت کے حامی ہیں اُسے عوام کے حقیقی مسائل سے کتنی دلچسپی ہے؟ آیئے ہم منظم اور متحرک ہو کر اپنے مسائل کا حل خود تلاش کریں۔ برائے مہربانی برطانیہ میں مقیم محبّ الوطن پاکستانیوں کی فریاد سنیں اور صرف چہروں کی بجائے نظام بدلیں۔ O

پاکستان کا سب سے بڑا المیہ ہے کہ بہترین عوام پر بدترین قیادت کا غلبہ، قبضہ اور تسلط ہے۔ آیئے ہم سب کا یہ فرض ہے کہ ہم مل جل کر تمام سیاسی جماعتوں پر دباؤ ڈالیں کہ وہ ہمارے بتائے ہوئے حل کو اپنے منشور کا حصہ بنائیں۔ عوامی مسائل کا بہترین حل خود عوام تجویز کر سکتے ہیں۔ سیاسی جماعتیں رائے عامہ کا احترام صرف اس صورت کریں گی جب عوام کی رائے میں وزن ۔ طاقت ۔ سچائی ۔ دانشمندی ۔ قومی مفاد کی عکاسی اور توانائی ہو۔ آوازِ خلق (زبان خلق کی طرح) نقارہٴ خدا ہے۔ آوازِ خلق کا مطالبہ اور موقف یہ ہے کہ قومی مسائل کو حل کرنے کے لئے سیاسی اور سماجی جرگہ دونوں مل کر قومی ایجنڈا مرتب کریں۔ قومی مسائل صرف قومی اتفاق رائے سے حل کئے جا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ قومی قومی اتفاق رائے کو زندہ وتابندہ اور قومی حمایت حاصل ہو۔ آیئے ہم مل کر یہ کڑی شرائط پوری کریں۔ O

آوازِ خلق - عوام دوستوں، ترقی پسندوں اور چہروں کی بجائے نظام تبدیل کرنے والوں کی آواز

انقلاب کی آمد

نسیم احمد باجوہ

مجھے اپنی بوڑھی آنکھوں پر اعتبار نہیں آتا کہ آج کل جب پاکستانی اخباروں کے مطالعہ سے لندن میں اپنا دن شروع کرتا ہوں تو خبروں اور مضامین میں لفظ ''انقلاب'' کئی بار پڑھتا ہوں۔ ٹیلی ویژن پر خبریں اور تبصرے سنیں تو وہاں بھی انقلاب کے لفظ کی بازگشت سے میری طرح تمام ناظرین کے کان مانوس ہو گئے ہیں۔ میں حیران کم ہوں اور خوش زیادہ کہ آخر ایک دن یہ بھی آنا تھا کہ ایسا لفظ صدیوں تک ہمارے دل، دماغ کی گہرائی میں دبا اور چھپا اور سویا ہوا تھا۔ وہ جاگ پڑا اور اُبھر کر اس طرح سامنے آیا کہ اسم اعظم بن گیا۔ کیا یہ بات بذات خود قابل غور، حیرت انگیز اور باعث صد مسرت نہیں؟ موسموں کی طرح سیاسی ماحول میں بھی خزاں۔ اُس کے بعد بہار اور کبھی کبھی بدقسمتی سے بہار کے بعد پھر خزاں کا دور آتا جاتا رہتا ہے۔ بہار آنے کی اس سے بڑی اور کیا دلیل اور علامت ہو سکتی ہے کہ بہار کا ذکر اس طرح شروع ہوا کہ ختم ہونے کو نہیں آتا۔ ہر جگہ لفظ بہار کی تکرار ہو رہی ہے۔ بہار کا لفظ ہر کسی کی زبان پر ہے۔ آمد بہار سے ڈرنے والوں اور ڈرانے والوں اور بہار کی اُمید پر جینے والوں یعنی دوست دُشمن سب کی زبان پر۔ آج انقلاب کا لفظ اُس آواز خلق کا حصہ بلکہ جزو لاینفک بن چکا ہے۔ جو نقارۂ خدا ہوتی ہے۔ انقلاب کا کسی نہ کسی حوالہ سے تذکرہ اُن شگوفوں کی طرح ہے جو پودوں کی شاخوں پر اُبھریں تو وہ ہمیں خوش خبری سناتے ہیں کہ اب پھول کھلنے کو ہیں۔ اس حقیقت کو جاننے کے لئے افلاطون یا ارسطو ہونا ضروری نہیں کہ ہر صبح صادق سے پہلے صبح کاذب دیکھنے کا صدمہ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ مگر یہی تاریخی جدلیات ہے۔ جدلیاتی عمل ایک سائنسی فارمولا ہے۔ کیمیاء اور طبیعات کی طرح وہ انسانی خواہشات کے تابع نہیں بلکہ انسانی تاریخ کے ہر دور کو جدلیات متعین کرتی ہے۔ O

مضامین اس تمہید کے بعد میں اُن مضامین پر تبصرہ کرنا چاہتا ہوں۔ جو حامد میر اور ڈاکٹر حسین احمد پراچہ نے لکھے اور وہ جنگ (لندن) میں 26 جون 2014ء کو شائع ہوئے۔ یہ مضامین نہ صرف قابل تعریف ہیں بلکہ قابل توجہ بھی۔ مناسب ہوگا کہ ان دونوں کی کہی ہوئی بات کو آگے بڑھایا جائے۔ حامد میر کے دو اقتباسات خصوصی توجہ کے مستحق ہیں۔ **اوّل:** ''(پاکستان میں) قربانیاں بھی بہت دی گئیں لیکن نظام نہ بدلا۔ لیکن ان قربانیوں کے نتیجہ میں یہ نظام کمزور ضرور ہوا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تبدیلی کی خواہش میں شدت پیدا ہوتی گئی۔ تبدیلی کی خواہش بغاوت کو جنم دیتی ہے۔'' **دوئم:** ''اگر ہم واقعی پاکستان میں ایک حقیقی انقلاب لانا چاہتے ہیں تو پاکستان کے غریبوں اور مظلوموں کو متحد ہو کر آئین کی بالادستی کے لئے تحریک چلانی چاہئے۔ اس آئین میں بہت سی خرابیاں ہیں۔ بہتری کی گنجائش بدستور موجود ہے۔ لیکن اس آئین میں آج بھی اتنی طاقت ہے کہ اگر اس پر عمل درآمد ہو جائے تو ظلم اور ناانصافی کے بہت سے راستے روکے جا سکتے ہیں۔''

مندرجہ بالا سطور کی صداقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا مگر وہ ایک ادھورا سچ بیان کرتی ہیں۔ اشتراکی انقلاب (جس میں محنت کش طبقہ یعنی کسان اور مزدور، برسر اقتدار آ جاتے ہیں) کے آنے سے پہلے عوامی جمہوری انقلاب کا مرحلہ آتا ہے۔ یہ پیش رو ہوتا ہے اشتراکی انقلاب کا۔ یورپ کے ممالک کے حکمران طبقوں نے عقلمندی اور دُور اندیشی کا مظاہرہ کئے ہوئے انقلاب روس اور انقلاب چین سے سبق سیکھا اور فلاحی ریاست کو معرض وجود میں لائے۔ مفت تعلیم اور مفت علاج لے کر بڑھاپے کی پنشن۔ بے روزگاری الاؤنس۔ خرابی صحت الاؤنس۔ غرضیکہ ریاست اپنے عوام کی نانی بن گئی اور اس طرح اشتراکی انقلاب کا راستہ رُک گیا۔ آپ پاکستان کا آئین اٹھا کر دیکھ لیں۔ وہ تمام بنیادی حقوق کی ضمانت دیتا ہے۔ آئین کی 62 اور 63 کی شقیں اسمبلی کے اراکین کی اہلیت کا معیار متعین کرتی ہیں۔ ہمارے آئین کی بنیاد قانون کی حکمرانی پر ہے۔ جب ہر حکومت آئین میں لکھے گئے حقوق کی دھجیاں اڑائے۔ فوجی آمریت تین بار آئین کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دے۔ جب حکومت قانون کی بجائے ذاتی مفاد یا مصلحت یا منافقت کو حکمرانی کی بنیاد بنائے۔ جہاں امریکی کانگریس (پارلیمنٹ) کے پانچ اراکین کو سندھ میں انسانی حقوق کی پامالی پر وزیر اعظم نواز شریف کو خط لکھنا پڑے۔ (اور پھر حسن مجتبیٰ کو روزنامہ جنگ میں اس موضوع پر چار کالمی مضمون لکھ کر فریاد کرنی پڑے۔) جہاں ہزاروں افراد گھر والوں کے لئے لاپتہ ہوں مگر سب کو پتہ ہو کہ انہیں کس نے گھر سے اُٹھایا اور وہ ماورائے قانون کس کی تحویل میں ہیں؟ جہاں سیاسی مصلحت کے پیش نظر بین الاقوامی پروازوں کے رُخ موڑ دیئے جائیں۔ جہاں ہمارے ملک کی سینکڑوں جیلوں میں ایک بھی امیر شخص یا بڑا سرکاری افسر یا فوجی (چھوٹا یا بڑا) افسر زیر حراست نہ ہو۔ جہاں دھاندلی کے الزام نے انتخابات کے آزادانہ اور

منصفانہ ہونے کے آگے سوالیہ نشان لگا دیئے۔ جہاں ادارہ ''منہاج القرآن'' کے دفتر کے باہر نہتے اور بے گناہ مظاہرین کے اوپر پولیس (بغیر کسی عدالتی حکم کے) گولی چلا کر دس افراد کو شہید کر دینے کے واقعات رُونما ہوں۔ جہاں لال مسجد میں قتل عام، ظلم وستم کی ایک لمبی کڑی کا حصہ بن جائیں۔ جہاں حسن ناصر کو صرف اشتراکی ہونے کے جرم میں تشدد کر کے لاہور قلعہ میں ہلاک کر دیا جائے؟ جہاں صرف کراچی میں 4700 کچی اور ناقابل تصور حد تک غیر انسانی بستیاں ہوں۔ جن میں رہنے والے ایک کروڑ لوگوں کے لئے زندگی عذاب عظیم بن گئی ہو۔ اگر میں اس طرح مثالیں دیتا چلا جاؤں تو **آوازِ خلق** کے سارے صفحات ختم ہو جائیں گے۔O

آپ غور فرمائیں کہ 1970ء میں مغربی پاکستان میں روٹی۔ کپڑا۔ مکان کا نعرہ بلند کرنے والی پیپلز پارٹی اور مشرقی پاکستان میں چھ نکات کی علمبردار عوامی لیگ کو زبردست انتخابی کامیابی کیوں نصیب ہوئی؟ جب یہ دونوں جماعتیں برسر اقتدار آ کر عوامی توقعات پر پورا نہ اُتریں تو نہ صرف اقتدار سے محروم ہو گئیں بلکہ ان کے راہنماؤں (ذوالفقار علی بھٹو اور شیخ مجیب الرحمٰن) کو قتل بھی کر دیا گیا اور کوئی عوامی ردعمل نہ ہوا۔ جمہوری راہنماؤں کی یکے بعد دیگرے ناکامی نے فوجی آمریت کا راستہ ہموار کر دیا۔ جنرل مشرف کے دور میں چیف جسٹس کی بحالی کی تحریک چلی جو کامیاب رہی اور مشرف کی فوجی آمریت کو بہا کر لے گئی۔ یہ متوسط طبقہ کی تحریک تھی۔ جو قانون کی حکمرانی کی جدوجہد کا ایک چھوٹا سا حصہ تھی۔ چیف جسٹس کی بحالی کے وقت قیام آیا تو وکلا اپنی نادانی سے سجدہ میں گر گئے۔ جس کی ذمہ داری وُکلا کی موقع پرست اور مفاد پرست اور کوتاہ اندیش قیادت پر عائد ہوتی ہے۔ تبدیلی کے لئے عوامی اُمنگ اُبھرتی چلی گئی۔ پھر اسی خواہش اور اُمنگ نے دیکھتے ہی دیکھتے تحریک انصاف کے ڈرامائی عروج کی شکل اختیار کر لی۔ پچھلے سال ہونے والے عام انتخابات سے پہلے ڈاکٹر طاہر القادری صاحب ہمارے سیاسی اُفق پر اُبھرے اور اُن کے پیروکاروں نے اسلام آباد کی سخت سردی اتنا زبردست دھرنا دیا کہ دُنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی۔O

ماضی قریب میں جو کچھ ہوا ہے وہ ہمارے ذہنوں میں اتنا زیادہ ہے کہ اسے دُہرانے کی نہیں بلکہ سمجھنے کی ضرورت ہے۔ نئی جمہوری حکومت کو اقتدار سنبھالے ایک سال سے زیادہ گزر چکا ہے اور اس عرصہ میں حالات اچھے ہونے کی بجائے اور خراب ہوئے ہیں۔ عوامی مایوسی میں اضافہ ہوا ہے۔ اضطراب کی سطح بلند ہوئی ہے۔ عوام کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے کو ہے۔ یہ ہے وہ سیاق وسباق جس میں جناب عمران خان اور ڈاکٹر طاہر القادری کے سیاسی کردار اور اُن کے نعرہ انقلاب کو سمجھنا ہوگا۔O

ڈاکٹر حسین احمد پراچہ اپنے مضمون میں کہتے ہیں۔ ''علامہ طاہر القادری انقلاب ضرور لائیں مگر دستور کے اندر رہتے ہوئے۔ جونہی وہ دستور سے باہر نکلیں گے ہر شے اُن کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔'' میاں نواز شریف اور ان کے ساتھی ڈاکٹر مجاہد منصوری کے قیمتی مشوروں پر عمل کریں تو ہم ایک بہت بڑی ہلچل اور خانہ جنگی سے بچ جائیں گے۔ میرے اندازے کے مطابق 2015ء فیصلہ کن سال ہوگا۔ یاد رہے کہ انقلاب آنے کے لئے نہ دروازہ کی گھنٹی بجاتا ہے اور نہ ویزا مانگتا ہے۔ انقلاب آندھی اور طوفان کی طرح بن بلائے آتا ہے۔ انقلاب لانے والے لوگ کون ہوں گے۔ وہ ہم نہیں جانتے مگر ایک بات پکی ہے کہ وہ پبلک سروس کمیشن کے سامنے پیش ہو کر تقرری کا پروانہ حاصل کرنے کے ہرگز محتاج نہ ہوں گے۔O

میدان سج چکا ہے۔ ہمارے ملک میں Haves (مراعات یافتہ طبقہ) اور Have Nots (محروم، محکوم اور مظلوم طبقہ) کے درمیان طبقاتی کشمکش تیز تر ہو رہی ہے۔ شکستہ دل اور شکستہ صف لشکریاں اب منظم اور متحرک اور جارحیت پسند ہو رہی ہیں۔ اور ان کی درمیان اُسی طرح کا تاریخی دنگل ہونے والا ہے جس طرح چین۔ ویت نام۔ ایران اور تیونس میں ہوا تھا۔ یہ کھیل کا روایتی مقابلہ نہیں جس کی تاریخ اس کے منتظمین طے کر کے اعلان کر دیتے ہیں۔ جو چھوٹی چھوٹی سرحدی جھڑپیں شروع ہو گئیں ہیں۔ وہ بڑی جنگ کا پیش خیمہ ہیں۔ عوام کی انقلابی تحریک کئی مراحل میں سے گزرے گی۔ کبھی کبھی یوں بھی ہوگا۔ کہ بقول لینن ایک قدم آگے اور دو قدم پیچھے۔ مگر آخر میں کامیابی کا رُخ اُمراکے در و دیوار ہلانے والوں کی ہوگی۔O

ہمارے قومی اخبارات کے فاضل مدیروں اور اتنے ہی ذی شعور کالم نگاروں نے اس خوش اُمیدی کا اظہار کیا ہے کہ سیاسی مکالمہ کی بدولت حکمران طبقہ عوامی اُمنگوں کا احترام کرتے ہوئے اتنی لچک دکھائے گا کہ تصادم اور تلاطم کی نوبت نہ آئے گی۔ صاف الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یا تو ہم مل جل کر ایک گلے سڑے نظام کو خوش اسلوبی اور خوش تدبیری اور خوشدلی سے بدل دیں ورنہ اسے ناگزیر تاریخی عمل بدل دے گا۔ بقول ماؤزے تنگ آپ انڈے توڑے بغیر آملیٹ نہیں بنا سکتے۔ یہ نوبت آئی تو پھر ہمارے ہاں بھی بہت کچھ ٹوٹے گا۔ بہت کچھ جل کر راکھ ہو جائے گا۔ ہم آگ اور خون کے دریا میں غرق ہو جائیں گے۔ عراق اور شام کی طرح۔O

گلا سڑا نظام کب تک؟

پروفیسر ڈاکٹر مجاہد منصوری

ایک آزاد اور منصفانہ معاشرے کی اصل پہچان یہ ہے کہ اس میں دستیاب وسائل کی تقسیم مساوات کے اُصولوں پر مبنی ہو۔ امیر و غریب اور چھوٹے بڑے کا امتیاز روا رکھے بغیر سب سے یکساں سلوک کیا جاتا ہو۔ ہر آدمی کو کسی دھونس، دباؤ اور رکاوٹ کے بغیر روزمرہ زندگی آزادی سے اپنی مرضی کے مطابق گزارنے کے مواقع مل رہے ہوں اور کسی کی عزت نفس مجروح نہ ہو۔ بدقسمتی سے پاکستان بنے تقریباً پون صدی ہونے کو ہے مگر یہاں فرسودہ قوانین، ضابطوں اور طور طریقوں کی وجہ سے چند مراعات یافتہ طبقوں کے سوا عوام کی بھاری اکثریت تھانوں اور پٹوار خانوں کے استحصالی شکنجے میں جکڑی ہوئی ہے اور اسلامی فلاحی مملکت کے اس تصور کو عملی جامہ نہیں پہنایا جاسکا جو پاکستان کیا اساس تھا۔ ملک کے سب سے بڑے صوبے پنجاب کے متحرک اور پر جوش وزیر اعلیٰ میاں شہباز شریف نے درست نشاندہی کی ہے کہ ملک کا موجودہ گلا سڑا نظام وبال جان بن گیا ہے اور عوام کو اس سے نجات دلانے کی ضرورت ہے۔ رائے ونڈ میں اپنی پارٹی کے ارکان اسمبلی اور کارکنوں کے وفد سے گفتگو کرتے ہوئے گذشتہ روز انہوں نے یقین دہانی کرائی کہ عوام کو اراضی کی کمپیوٹرائزیشن کے ذریعے کرپٹ پٹوار نظام سے نجات دلائی جائے گی۔ اس کے علاوہ سرکاری اداروں اور محکموں کی استعداد کار میں اضافے اور انتظامی ڈھانچے کو بہتر بنانے کے لئے بھی اصلاحات لائی جا رہی ہیں۔ سخت مالیاتی ڈسپلن، سادگی اور کفایت شعاری کے کلچر کو فروغ دے کر حاصل کئے گئے اضافی وسائل کم وسیلہ طبقات کو سہولتوں کی فراہمی پر صرف کئے جا رہے ہیں۔ اور سرمایہ کاری تجارتی سرگرمیوں کے فروغ، غربت و بیروزگاری کے خاتمے اور عوام کی مشکلات میں کمی کی غرض سے توانائی بحران پر قابو پانے کے لئے ترجیحی اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ وزیر اعلیٰ پنجاب کے یہ عزائم اور کارکردگی ان مقاصد کی آئینہ دار ہے جو ملک کی معاشی بحالی اور عوام کی حالت بہتر بنانے کے لئے وزیر اعظم نواز شریف کی پالیسیوں کا حصہ ہیں۔ نواز شریف ملک کے پہلے رہنما ہیں جنہیں تیسری بار وزیر اعظم بن کر قوم کی خدمت کا موقع ملا ہے۔ یہ ان کے لئے سنہری موقع ہے کہ وہ برصغیر کے ان بڑے حکمرانوں کی طرح جنہوں نے رفاہ عامہ کے لازوال کام کئے جن کی بناء پر آج بھی لوگ انہیں اچھے لفظوں میں یاد کرتے ہیں موجودہ نظام میں انقلابی اصلاحات لائیں جن سے عوام کی تقدیر بدل جائے۔ یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ موجودہ سست رفتار اور کرپٹ نظام کی بدولت قومی یا انفرادی ہر کام میں تاخیر ہوتی ہے۔ رشوت ستانی عام ہے پاکستان ایک زرعی ملک ہے۔ اور زمینوں کا ریکارڈ پٹواری کے پاس ہوتا ہے بڑے لوگ تو اپنے اثر و رسوخ سے کام نکلوا لیتے ہیں مگر غریب آدمی پیسہ دیئے بغیر اپنی اراضی کا فرد بھی نہیں بنوا سکتا۔ یہی حالت تھانے کچہریوں کی ہے۔ چھوٹی عدالتوں میں کچھ بدعنوان اہلکاروں کی وجہ سے معاملات سالہا سال تک لٹکے رہتے ہیں اور مقدمات کے فیصلے نہیں ہو پاتے۔ غریب آدمی عدالتوں کے چکر میں دیوالیہ ہو جاتا ہے اور انصاف پھر بھی اسے شاذ و نادر ہی ملتا ہے۔ پنجاب سمیت تمام صوبائی حکومتوں کو عوام کی فلاح و بہبود کے لئے موثر اقدامات کرنے چاہئیں۔ تاہم عام آدمی کی مشکلات دور کرنے کے لئے اصلاح احوال کی ذمہ داری وفاق کو بھی اپنے ہاتھ میں لینی چاہئے۔ جمہوریت بنیادی طور پر لوگوں کے دکھ درد ہٹانے کا نظام ہے۔ حکومت کو موجودہ گلے سڑے نظام کا وسیع بنیادوں پر جائزہ لینا چاہئے اور اس کی خرابیاں دور کرنے کے لئے جامع اصلاحات لانی چاہئیں عوام کی مشکلات دور کرنے اور انہیں نئی صدی کے ثمرات پہنچانے کے لئے پورے سسٹم کی اصلاح ضروری ہے۔ کرپشن ہر ادارے اور ہر محکمے میں ہے۔ موجودہ قوانین کی خامیوں کا جائزہ لے کر ان کے خاتمے کے لئے دوررس اقدامات کرنے چاہئیں اس ضمن میں مجسٹریسی نظام کا جائزہ بھی ضروری ہے تاکہ انصاف کا حصول سب کے لئے ممکن اور سہل بنایا جا سکے انتظامی مالی اور عدالتی نظام میں دوررس اصلاحات کے ذریعے ہی پاکستان کو امن و انصاف کا گہوارہ بنایا جا سکتا ہے۔ اس کام میں مزید تاخیر کا مطلب مزید خرابیوں کو دعوت دینا ہے۔ جس کا یہ ملک متحمل نہیں ہو سکتا۔ O

عوام دشمن جاری نظام بدختم کر کے سماجی انصاف مہیا کرنے کے عزم کا بار بار اظہار کرنے والے وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف نے مختلف اضلاع کے منتخب نمائندوں سے ملاقات میں ایک بار پھر اعتراف کیا ہے کہ ”موجودہ نظام گل سڑ گیا ہے۔ یہ وبال جان بن چکا ہے اور مسلم لیگ (ن) عوام کو اس سے نجات دلائے گی“ بحیثیت مجموعی ہمارے روایتی سیاست داں ملک میں آئین و جمہوریت کے نفاذ کی بات تو بہت کرتے ہیں بلکہ اسے ملکی سلامتی و استحکام کا لازمی تقاضا قرار دیتے ہیں، لیکن فقط انتخابات کا انعقاد انہیں مطمئن کر دیتا ہے کہ جمہوریت کا تقاضا پورا ہو گیا۔ حالانکہ آج تک تمام سیاست دان ایک انتخاب پر بھی مطمئن نہیں ہوئے کہ یہ آئینی تقاضوں کے مطابق آزادانہ اور غیر جانبدارانہ ہوا ہے۔ یہ تاریخی حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ جمہوریت قیام

پاکستان کا عزم ہے۔ پوری قوم آج بھی اس پر متفق ہے لیکن جمہوریت کے نام پر پاکستان کے جاری نظام کا تاریخ، قومی عزم ومزاج اور آئین کی روشنی میں جائزہ لیا جائے تو یہ بڑا سوال پیدا ہو جاتا ہے، کونسی اور کیسی جمہوریت؟ ہمارے مولوی صاحبان تو نفاذ شریعت کا شدت سے مطالبہ کرتے رہے اور اب بھی جاری ہے، لیکن وہ اپنی تشریح کے مطابق یہ نافذ نہ کر سکے، جہاں تک جمہوریت کا تعلق ہے سیاست دان اپنی من پسند جمہوریت نافذ کرنے میں اتنے ہی کامیاب ہیں جتنے مولوی عبدالعزیز قافلے کے مولوی صاحبان اپنی تشریح کے مطابق شریعت کے نفاذ میں ناکام۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جس نظام کو جناب شہباز شریف نے ''گلاسڑا نظام'' قرار دیا ہے۔ یہ آئینی نہیں روایتی سیاست دانوں کی من پسند جمہوریت ہے جو متنازعہ انتخاب سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہو جاتی ہے۔ یہ الیکشن اور ان سے شروع ہونے والا ''جمہوری دور'' کبھی مکمل آئینی تقاضے پورے نہیں کرتا۔ اس پر خود سیاست دان مطمئن ہوتے ہیں نہ عوام۔

آئیں! دیکھیں کہ انتخابی عمل اور ان سے شروع ہونے اور جمہوری کہلانے والا دُور غیر آئینی کیسے ہوتا ہے؟ پاکستان میں سہ سطحی انتخابات (قومی، صوبائی اور بلدیاتی سطح کے) نفاذ جمہوریت کا آئینی تقاضا ہے۔ اس کا وسیع تر قومی مقصد بہت واضح ہے کہ قومی اسمبلی کا انتخاب ملک کا ریاستی نظام چلانے اور قومی سطح کی قانون سازی، ملکی وعوامی مفادات کی قانون، پالیسی وفیصلہ سازی اور مرکزی حکومت کے پالیسیوں اور فیصلوں پر عملدرآمد کے لئے ہوتے ہیں۔ اسی طرح صوبائی الیکشن صوبائی سطح پر یہ کچھ کرنے کے لئے کرائے جاتے ہیں۔ آئین پاکستان کی آرٹیکل 140 کے مطابق مقامی (گاؤں، محلہ، قصبہ، شہر، تحصیل اور ضلع) کی سطح پر عوام کی براہ راست شرکت وشعور اور اجتماعی کوششوں سے ان کی روزمرہ زندگی کی کوالٹی میں مسلسل اضافے کے لئے بلدیاتی انتخابات کا انعقاد ہونا آئینی تقاضا ہے اور یہ صوبائی حکومتوں کی زمہ داری ہے کہ وہ اپنے اپنے صوبوں میں اس کا انعقاد کریں۔ اسی کے نتیجے میں بلدیاتی نظام وجود میں آتا ہے۔

تمام حقیقی جمہوری ممالک میں تعلیم وصحت، خواتین وبچوں کی ترقی ونشوونما، بزرگوں کی دیکھ بھال اور نوجوانوں کو کھیل وتفریح کے مواقع فراہم کرنے کے لئے منتخب بلدیاتی ادارے ہی سرگرم ہیں۔ گویا قومی وصوبائی سطح کی حکومتیں جہاں مرکزی وصوبائی سطح کی قانون سازی، معیشت، سلامتی وامن، بین الاقوامی تعلقات اور ملکی یکجہتی، جمہوری نظام کے استحکام، انصاف کی فراہمی، ان ہی سطح کے انفراسٹرکچر کے لئے ہمہ گیر اہداف حاصل کرنے کے لئے کوشاں ہوتی ہیں تو بلدیاتی ادارے آئندہ انتخابات تک عوام سے ان کے روزمرہ مطلوبہ اُمور کی تکمیل کے لئے سرگرم ہوتے ہیں۔ یہ عوام سے قریب تر ہوتے ہیں اور وہ خود ان میں گھلے ملے ہوتے ہیں۔ کارکردگی اور خامیوں پر بھی عوام کی براہ راست نظر رہتی ہے۔ اس کے برعکس ہمارے گلے سڑے نظام کی مکاری دیکھیں کہ ملکی نافذ العمل آئین جب (1973) سے نافذ ہوا ہے، کسی ایک صوبائی حکومت نے (اب بلوچستان کی حکومت کی تشخیص کے ساتھ) مطلوبہ بلدیاتی نظام قائم کرنا تو کجا، اس کے پہلے مرحلے میں بلدیاتی انتخاب سے ہی مکمل اجتناب کیا۔ آئین کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہوئے عوام کو عوامی سطح کے جمہوری عمل اور اس کے ثمرات سے یکسر محروم رکھا گیا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ حقیقی جمہوری معاشروں میں بلدیاتی نظام صرف ترقیاتی عمل میں عوام کی براہ راست شرکت کا ہی ذریعہ نہیں، اسی سے صوبائی اور قومی سطح کی معیاری نمائندگی تیار ہونے کا مسلسل اہتمام ہوتا ہے۔ گویا عوامی قیادت گلی محلے سے نکلنے کی صورت بھی اسی سے بنتی ہے۔

1973ء سے لے کر اب تک کے 40 سالوں میں تمام سول حکومتوں کا اس سے کمال ہم آہنگی سے اجتناب ہماری جمہوریت کا پردہ چاک کر دینے کے لئے کافی ہے اسی سے ہمیں ہماری سیاسی طاقتوں کے جمہوریت کی جانب رویئے کا اندازہ سائنٹفک حد تک درست لگتا ہے، اور عوامی رویئے کا بھی جنہوں نے کبھی بھی اپنے اس آئینی حق کے لئے آواز ہی نہیں اُٹھائی۔ شاید یہ ہی وجہ ہے کہ جب کبھی اُدھورا آئینی عمل رُکا اور فوجی یا نیم جمہوری حکومت کی تشکیل ہوئی عوام نے طویل عرصے کے لئے اسے بآسانی برداشت کیا بلکہ ابتداء میں تو خوش آمدید بھی کہا۔ من حیث القوم ہمارے اس غیر جمہوری رویئے نے ملک میں حقیقی اور آئینی جمہوریت نافذ ہی نہیں ہونے دی جس کا انتہائی ناجائز فائدہ روایتی سیاسی حکمرانوں نے اُٹھایا۔ اُوپر سے آمرانہ حکومتوں کا بار بار قیام جس نے اُدھوری جمہوریت کو عوام دُشمن نظام میں تبدیل کر دیا، اسی میں ہی حکومت کو لوٹ مار، اقربا پروری، بدانتظامی اور عوامی مفادات کے خلاف دیدہ دلیری سے فیصلے کرنے کے مواقع فراہم کئے۔ جناب شہباز شریف نے اسی کو گلاسڑا نظام قرار دیا ہے، فقیر اس کے خلاف 7 سال سے آئین نو میں نظام بد سے بچنے کی صدا بلند کر رہا ہے اور یہ بھی کہ کیسے؟ اسی گلے سڑے نظام میں مقامی سطح پر اربوں کھربوں (پورے ملک میں) ترقیاتی اخراجات کی بندر بانٹ ماوراء آئین من گھڑت طریقہ اختیار کر کے قومی وصوبائی اسمبلی کے منتخب اراکین حتیٰ کہ سینیٹروں میں کر دی جاتی ہے اور ان کا اپنا بنیادی اور بڑا آئینی فریضہ پالیسی اور قانون سازی، حکومتی کارکردگی کا جائزہ اس پر ڈیبیٹ نہ ہونے کے برابر اور انتہائی سست اور غیر معیاری ہوتی ہے تاہم حکمران طبقہ اپنے مفاد کی قانون سازی بڑی سُرعت اور یکجہتی کے ساتھ کرتا ہے۔ الیکشن 13ء سے قبل انتخابی اُمیدوار بننے کی آئینی شرط ''صادق'' اور ''امین'' کی پابندی اختیار کرانے کے عوامی مطالبے پر سٹیٹس کو کے سیاست دان سیخ پا ہو گئے اور ہر حال میں ان کے تائید کنندگان (Confirmists) اس مطالبے کی بھد اُڑانے پر لگا دیئے گئے۔ صبح 14 مئی بھی بے نور صبح

ہی لے کر آئی جس پر اب میاں نواز شریف بھی افسردہ ہیں۔ کیوں نہ ہوں اسی گلے سڑے نظام کی پیداوار تھا نے کلچر نے مظفر گڑھ کے مسلم گھرانے کی آمنہ کو باوردی دہشت اور وحشت کے سامنے ستی کرنے پر مجبور کر دیا۔ اسی نظام بدنے قانون کے اطلاق کا دہرا معیار قائم کیا ہوا ہے۔ جس میں چھوٹے چور جیلوں میں اور بڑے بڑے وائٹ کالر مجرم اقتدار کے مزے لوٹتے ہیں۔ اسی نظام میں بھاری جائز و ناجائز آمدنی والے ٹیکس فری اور نان نکتے بمشکل حاصل کرنے والے مقررہ آمدنی کے ملازم لازمی ٹیکس سے بندھے ہیں۔ اسی نظام میں احتساب بیورو ہے احتساب نہیں۔ قانون ہے اس پر عمل نہیں۔ تھانہ ہے امن نہیں۔ عدالتیں ہیں انصاف نہیں۔ سرمایہ ہے کاروبار نہیں۔ پانی ہے بجلی نہیں۔ سکول ہے استاد نہیں۔ یا استاد ہے سکول نہیں۔ یہ کیسا نظام ہے؟

آؤ مل کر نظام بدلیں، نظام بدلیں سماج بدلیں۔

ہم کسی مسیحا کے منتظر ہیں

رانا سعید احمد

حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ نے 14 اگست 1947ء کے دن انگریزوں سے سیاسی آزادی حاصل کر کے اسلامی جمہوریہ پاکستان بنایا۔ انگریز ایک مہذب، بااُصول اور اہل قوم ہے۔ اُنہوں نے جہاں جہاں حکومت کی، جن جن لوگوں کو اپنا غلام بنایا انہیں بنیادی سہولتیں بہم پہنچانے پر بھرپور توجہ دی۔ مثلاً انہوں نے ہندوستان پر اپنے تقریباً ایک سو سالہ دور حکومت میں سڑکوں کا جال بچھایا، ریلوے کا وسیع نظام قائم یا، نہروں کا نظام قائم کر کے ہندوستان کے بہت بڑے رقبے کو سرسبز و شاداب کرنے کا اہتمام کیا، سکولز، کالجز اور یونیورسٹیز کا سسٹم متعارف کروایا، دیہاتوں میں ڈسپنسریاں اور شہروں میں ہسپتال تعمیر کروائے، خوبصورت عمارتیں تعمیر کروائیں، موجودہ عدالتی نظام قائم کیا، فوجی اور دیوانی قوانین نافذ کیے، شورش زدہ ہندوستان میں قانون کی حکمرانی نافذ کر کے امن وامان بحال کیا اور اسی طرح بہت سے دوسرے فلاح و بہبود کے کام کیے اور پھر ہندوستان کی دولت سے مستفید ہوئے اور اُصول، قانون، آئین اور معاہدے کے مطابق ہندو اور مسلمان لیڈروں (گاندھی، نہرو اور قائداعظمؒ وغیرہ) سے مذاکرات کر کے ہندوستان کو آزادی دے کر رخصت ہو گئے؟ اور پاکستان اور بھارت وجود میں آئے۔ انگریزوں کی کارکردگی کی نزدیک ترین مثال ہانگ کانگ کی بندرگاہ ہے جو انہوں نے 99 سال کے لئے لیز پر حاصل کی تھی۔ جب انہوں نے ہانگ کانگ کا انتظام سنبھالا تھا تو وہ ایک عام سی بندرگاہ تھی مگر انگریزوں نے 99 سال میں ہانگ کانگ کا نقشہ ہی تبدیل کر دیا اُور اُسے دنیا کی ایک بہترین بندرگاہ بنا دیا اور معاہدے کی مدت پوری ہونے پر ہانگ کانگ کا قبضہ چین کے سپرد کر دیا۔

سیاسی آزادی ملنے کے ایک سال اور کچھ دنوں بعد قائداعظم رحلت فرما گئے۔ اُن کی رحلت کے بعد اشرافیہ کا ایک گروہ ریاست کی طاقت کے اداروں پر قبضہ کر کے عوام پر مسلط ہو گیا۔ ذرائع ابلاغ کے مطابق اشرافیہ کا یہ گروہ 500 خاندانوں پر مشتمل ہے اور اس میں بڑے بڑے جاگیردار، وڈیرے، نواب، سردار، گدی نشین سرمایہ دار اور گریڈ 18 سے گریڈ 22 کے بیوروکریٹس شامل ہیں۔ بدقسمتی سے اس گروہ کے تین ہزار افراد میں اکثریت ایسے افراد کی ہے جو مفاد پرست، غیر مہذب، نااہل، کرپٹ اور رشوت خور ہیں، اُن کی سوچ، اعمال اور افعال کا محور ذات، کنبہ اور اپنی جماعت ہے۔ یہ گروہ انگریزوں کے برعکس، عوام کو بنیادی سہولتیں بہم پہنچانے اور ملک کو اخلاقی طور پر مہذب، اقتصادی لحاظ سے خوش حال، سیاسی نقطۂ نگاہ سے مستحکم اور بین الاقوامی تناظر میں ایک خودمختار ریاست بنانے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ یہ گروہ بظاہر عوام کو **"طاقت کا سرچشمہ قرار دیتا ہے"** مگر عوام کو طاقت اور اقتدار کے ایوانوں یعنی اسمبلیوں سے باہر رکھتا ہے۔ متوسط اور غریب طبقے سے تعلق رکھنی والا کوئی شخص چاہے وہ کتنا ہی اہل، دانشور اور حب الوطن ہو، الیکشن میں کھڑا ہونے کی جرات نہیں کر سکتا۔ اشرافیہ کے گروہ کے اکثر ممبران عوام (جو کہ معصوم، غریب، لاچار، ناخواندہ، سیاست کی پیچیدگیوں سے بے خبر اور الیکشن کے داؤ پیچ سے ناواقف ہیں) کو اپنی جاگیروں کو سرسبز اور محلوں کو روشن رکھنے، جلسے اور جلوسوں کی رونقیں بڑھانے، حکومت کے حق یا مخالفت میں ریلیاں نکالنے، پبلک مقامات اور سڑکوں پر ہنگامے اور توڑ پھوڑ کرنے، مخالفین کو کچلنے، اپنے نام کے نعرے لگوانے، ووٹ حاصل کرنے، اپنی ملوں اور کارخانوں کی چینی، آٹا اور دوسری اشیاء مہنگی فروخت کرنے، مہنگائی، دھونس، جبر اور ناانصافی کی چکی میں پسنے، ملکی اور بیرونی قرضوں کا بوجھ اُٹھانے وغیرہ کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ مگر اُنہیں اقتدارِ اعلیٰ کے قریب نہیں آنے دیتے۔

67 سالوں میں اشرافیہ کے اس گروہ نے عوام کو غربت کے غار میں دھکیل دیا ہے۔ جب پاکستان معرضِ وجود میں آیا تھا تو عوام پر کوئی قرضہ نہیں تھا جب کہ آج ملک کم و بیش 20,000 ارب روپوں کا مقروض ہے اور ہر فرد تقریباً ایک لاکھ روپے کے قرضے کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔ لوگ بنیادی سہولتوں بجلی، گیس رہائش، خوراک، علاج، جان و مال کے تحفظ، ملازمت، روزگار وغیرہ کو ترس رہے ہیں۔ جب کہ مہنگائی کا گراف گھڑی کی سوئیوں کی گردش کے ساتھ اُوپر جا رہا ہے۔ ملک کی موجودہ صورت حال دیکھ کر مصنف یہ رائے قائم کرنے پر مجبور ہے کہ 99 فی صد عوام ایک بیرونی مگر مہذب، بااُصول اور اہل قوم

(انگریزوں) کی غلامی سے نکل کر مفاد پرست، غیر مہذب، بے اُصول، نااہل، کرپٹ اور رشوت خور مقامی اشرافیہ کے گروہ کی غلامی کے جال میں پھنس چکی ہے اور پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ اس غلامی سے نجات حاصل کرنا ہے۔

مجھے یقین کامل ہے جو شخص عوام کو مقامی اشرافیہ کے گروہ کی غلامی سے رہائی دلائے گا وہ قائداعظمؒ جیسا بڑا کارنامہ سرانجام دے گا۔ میں دیانتداری سے سمجھتا ہوں کہ مفاد پرست، غیر مہذب، بے اُصول، نااہل کرپٹ، رشوت خور مقامی اشرافیہ کے گروہ سے آزادی کا حصول کسی بیرونی مگر مہذب اور بااُصول قوم سے آزادی حاصل کرنے سے زیادہ مشکل کام ہے۔O

جمہوریت کے معنی

رضا علی عابدی

لفظ ڈیموکریسی یونانی زبان سے نکلا ہے جس میں ڈیمو کا مطلب عوام اور کریسی کا مفہوم طاقت ہے۔ ہمارے ہاں جمہور کا مطلب تو عوام ہے لیکن اس میں طاقت، قوت یا اختیار کا اشارہ تک نہیں۔ شاید یہی بدشگونی ہوگئی۔ جس کسی نے بھی یہ اصطلاح گھڑی اس کو احساس نہیں ہوا کہ اس میں عوام کے اقتدار کا ذکر تک نہیں۔ اب یہ جتنے لوگ جمہوریت جمہوریت کرتے نہیں تھکتے، ان کے تصور کی گہرائی تک میں یہ بات نہ ہوگی کہ وہ جو ایک عام آدمی کھیتوں کو پانی لگا رہا ہے وہ ابھی ملک کا حاکم ہے۔ وہ عورت جو تپتی دھوپ میں سڑک بنانے کے لئے پتھر پھوڑتی ہے اس کا بھی حاکمیت میں دخل ہے۔ وہ محنت کش جو صبح سویرے بچوں سے رات کی روٹی کا وعدہ کر کے گھر سے نکلتا ہے، مسندِ اقتدار پر ایک گوشہ اس کا بھی ہے۔ ہم وہ بدنصیب ہیں کہ ہمارے نظام میں جسے ہم بھولے سے جمہوریت سمجھ بیٹھے ہیں، اُس دُکھیا لڑکی کے لئے کوئی مقام نہیں جو سر پر گھڑا رکھ کر میلوں دور جوہڑ پر جاتی ہے اور اپنی دانست میں اس کا پانی اُوپر اُوپر سے نتھار کر گھڑے میں بھرتی جاتی ہے اور سمجھتی جاتی ہے یہی پانی صاف اور شفاف ہے کیوں کہ جوہڑ میں غلاظت کے دھارے چلانے والی بھینس اس سے چار ہاتھ دور پانی میں پاؤں گاڑے کھڑی ہے۔O

حاکموں کو جمہوریت کی ڈوری کا ایک سرا سمجھا جاتا ہے اور یہ ڈوری دور تک جاتی ہے۔ اس ڈوری کا آخری سرا کسی عبدالرحمٰن یا سلیم خان یا کسی زہرہ بیگم کے بنگلے، کوٹھی، نیم پختہ مکان یا جھونپڑی تک جاتا ہے۔ ہم جمہوریت کے حسن کا ذکر بہت سنتے ہیں۔ اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ وہ حسن کیا ہے۔ وہ رحمٰن، سلیم یا زہرہ کو حاصل یہ حق ہے کہ وہ جب محسوس کریں کہ حاکم اونگھنے لگا ہے یا اپنی آنکھیں بند کر کے یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ وہ دوسروں کو نظر آنا بند ہوگیا ہے تو وہ جمہوریت کی ڈوری کو ہلائیں، جھٹکا دیں یا کھینچیں۔ سیدھے لفظوں میں جمہوریت اس وقت حسین ہوتی ہے جب جمہور یعنی عوام کو اس میں دخل دینے کا حق مل جاتا ہے۔ صرف یہی نہیں، بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ حاکم کو جمہور کے معاملے میں مداخلت کا اختیار نہیں رہتا۔ بڑے بڑے میگا شہروں سے لے کر دور وہاں دریاؤں اور وادیوں سے پرے اس گاؤں کو بھی جس کے کچے پکے مکانوں کی چمنیوں سے دھواں اُٹھتا ہو، اپنا نظام خود چلانے کا پورا پورا حق ہوتا ہے۔ اس پر مجھے سنہ نوے اکیانوے میں لدّاخ جانا یاد آتا ہے جہاں لوگوں نے بتایا کہ ساری آبادیوں سے الگ تھلگ ایک ویرانے میں ایک ووٹر رہتا ہے جس کا اندراج ووٹروں کی فہرست میں ہے۔ ہر بار جب انتخابات ہوتے ہیں، الیکشن کا عملہ بیلٹ کے کاغذات اور بیلٹ بکس لے کر وہاں جاتا ہے اور وہ شخص ووٹ ڈال کر اپنا حق رائے دہی استعمال کرتا ہے۔ اس طرح وہ حاکمیت میں حصہ دار بن جاتا ہے اور ایک حکم بھی دیتا ہے اور وہ یہ کہ الیکشن کا عملہ جب کبھی اس کے پاس آئے، اپنے ہمراہ مکھن کی ایک ٹکیہ لے کر آئے۔ یوں نہ ہو تو جمہوریت ایک ڈھکوسلے سے زیادہ کچھ نہیں۔O

میری یہ ساری گفتگو بہت ہی عالمانہ اور مدبرانہ بھی ہوسکتی تھی لیکن میرے نزدیک اُردو کے سب سے بڑے شاعر میر تقی میر اپنی شاعری کے بارے میں کہہ گئے ہیں، ''گفتگو پر مجھے عوام سے ہے۔'' یہ مصرعہ کہتے وقت میری صاحب نے سوچا بھی نہ ہوگا کہ وہ اندر سے کس قدر جمہوریت نواز اور عوام پسند شخص تھے اور اب ایک آخری بات۔ اقبال کے مشہور شعر میں جس نقشِ کہن کا ذکر ہے وہ Status Quo کا بہترین ترجمہ ہے۔ وہ جو کسی نہ کسی سے پوچھا تھا کہ اب کیا ہوگا۔ جواب ملا کہ کچھ بھی نہیں، یوں ہی چلتا رہے گا۔ اس لفظ کی اس سے بہتر تشریح نہیں ہوسکتی۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ وقت بدلے اور حالات نہ بدلیں۔ نئے تقاضے سر نہ اُٹھائیں۔ نئے خیالات، نئے اندازِ فکر، نئے تصورات اور نئی جرأتیں۔ ہمیں وقت کے ساتھ خود کو بدلنے کی ترغیب نہ دیں۔ یہ Status Quo نہیں، تجاہلِ عارفانہ بھی نہیں بلکہ ہاتھ آئے ہوئے موقع کو دبوچے رکھنے اور اس کے تھنوں کو مسلسل نچوڑے جانے کا دوسرا اور تعفن زدہ نام ہے۔

آوازِ خلق | شمارہ نمبر ۲۱

قومی مجلسِ مشاورت کا پانچواں سہ ماہی اجلاس

چھ دسمبر ۲۰۱۴ء (بروز ہفتہ) دو بجے بعد دوپہر سے شام چھ بجے تک

ہمدرد ہال (لٹن روڈ)، نزد جین مندر، لاہور

موضوع

کیا حب الوطنی اور عوام دوستی کا یہ تقاضا نہیں کہ ہر ضلع کو صوبائی درجہ اور خودمختاری دے کر بدترین نظام کُہن (Status Quo) سے **پیدا ہونے والی بیماریوں** کا بہترین علاج کیا جا سکے؟ موجودہ گلے سڑے نظام کی بڑی خرابیاں یہ ہیں۔ مفلوج انتظامیہ۔ بحران زدہ معیشت۔ سرکاری محصولات کی عدم وصولی۔ نہ بجلی۔ نہ گیس نہ صاف پانی۔ نہ انصاف۔ بڑھتی ہوئی مہنگائی۔ ایک ایسا سیاسی نظام جو غیر فعال۔ غیر جمہوری۔ غیر نمائندہ۔ غیر عوامی۔ غیر شفاف۔ غیر جواب دہ اور غیر شراکتی ہو O

مقررین (جنہیں اظہار خیال کی دعوت دی گئی ہے۔)

تحریک انصاف۔ پیپلز پارٹی۔ عوامی تحریک۔ جماعت اسلامی۔ ورکرز پارٹی۔ ایم۔ کیو۔ ایم۔ مسلم لیگ (ن اور ق) اے۔ این پی
جمعیت العلمائے اسلام۔ سندھ اور بلوچستان کی قوم پرست جماعتوں کے ترجمان۔ Institute of Policy Reforms۔ تحریک استقلال

ڈاکٹر مبشر حسن۔ عابد حسن منٹو۔ ایس۔ ایم ظفر۔ زاہد علوی۔ ڈاکٹر مجاہد منصوری۔ حسن نثار۔ مجیب الرحمٰن شامی۔ حسن جعفر زیدی۔ چوہدری جعفر اقبال۔ فیروز شاہ گیلانی۔ زاہد بخاری۔ قیوم نظامی۔ اکرم ذکی۔ شاہد رانا۔ محمد زمان خان وردگ۔ منظور گیلانی۔ ظہیر میر۔ شبنم ناگی لبنیٰ ملک۔ ملک سعید حسن۔ پروفیسر ہمایوں احسان۔ شمشاد احمد۔ ڈاکٹر مجاہد کامران۔ احمد بلال صوفی۔ اوریا مقبول جان۔ رانا اعجاز احمد خان لیاقت جاوید۔ محمد طیب کاکڑ۔ احمد اویس۔ سکندر سمیع جوئیہ۔ رانا امیر احمد خان۔ شمس سلطان۔ میاں عاشق حسین۔ ڈاکٹر اکمل سلیمی فاروق باجوہ۔ ڈاکٹر حسین احمد پراچہ۔ ملک محمد اسلم۔ میاں نعیم بشیر۔ راجہ منور احمد۔ ارشاد احمد عارف۔ رشید قریشی۔ اعتزاز احسن۔ حامد خان گلزار اعوان۔ میاں محمد اسلم۔ صغریٰ صدف۔ الطاف حسن قریشی۔ میجر جنرل محمد جاوید۔ انیق ناجی۔ حفیظ اللہ نیازی۔ راجہ صفدر حسین ظفر سپل۔ نیاز انقلابی۔ وقار طور۔ ارشاد اللہ چٹھہ۔ احتشام ربانی۔ محمد ضیغم۔ ثریا خورشید۔ ڈاکٹر صفدر محمود۔ نفیس صدیقی۔ مُبین رشید۔ عامر ریاض

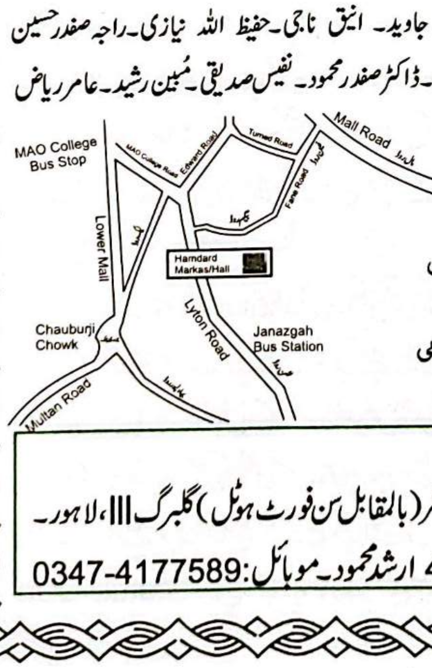

نظامت: نسیم احمد باجوہ (بار ایٹ لاء لندن)

میزبان: تحریک تبدیلیٔ نظام / جاگو تحریک / نیشنل ایڈوائزری کونسل
پیپلز ریفریڈم پارٹی / برٹش پاکستانی ویلفیئر فورم / سندھ طاس
کونسل / انجمن مزارعین (اوکاڑہ) / ادارہ مطالعہ پاکستان / قومی
زبان تحریک / لٹیرن کوڈ لیف پاکستان

رابطہ

ارشد محمود (منتظم) آفس نمبر 2، سیکنڈ فلور، لبرٹی شاپنگ سنٹر (بالمقابل سن فورٹ ہوٹل) گلبرگ III، لاہور۔
ای میل: Bajwaandcolahore@aol.com.uk
فون: 42-35755931 ارشد محمود۔ موبائل: 0347-4177589

LONDON OFFICE: 39 Gowers Walk, London E1 8BS Tel : 0044-2072651777 Fax : 0044-2074812718 Mob: 0044-7867786562
Email : bajwaandco@aol.com Blogs at : naseemahmadbajwa@wordpress.com Twitter: @naseemahmedbajwa
LAHORE OFFICE: Office No.3, 1st Floor Saf Centre, 8-Fane Road, Lahore. Tel : 042-37363766-7 Email : bajwaandcolahore@aol.com